ہندومت پر مولانا شمس نوید عثمانی کی منفرد آراء و تحریرات کا علمی و تحقیقی جائزہ

A Critical Study of Maulana Shams Naved Usmani's Rare Thoughts and Writings about Hinduism

مریم نورین*

ڈاکٹر ابظاہر خان**

Abstract

Acharya[1] Maulana Shams Naved Usmani's was an important thinker (*mufakkir*) and researcher of his times. He had extensive knowledge regarding Hindusim. He was a passionate advocate of Hindu-Muslim inter-faith dialogue, spawning a new trend in India Muslim literary and activist circles. Maulana chartered a new course in Islamic literature in India, seeking to combine a commitment to inter-faith dialogue with what seems to have been his principal mission, that of Da'wah, or inviting others to Islam.

Muslim understanding for the first time has highlighted an aspect regarding Hinduism where hindu sacred books are read in contrast with quran and hadith and scattered facts about Islam are collected and presented to manifest the true picture of Islam. Though in the past too, there existed to some extent the proof in Hindu sacred texts regarding the truth of Islam, this trend increased after Maulana's work in this context. He explained the meaning and interpretation of many important Hindu views in the light if Islam. For this purpose, he also used translated texts, and sayings of sufis besides Quran and hadith. So, this study is an attempt to present Usmani's views on understanding Hinduism and critically analyze his views in this regard.

Key Words: Inter-faith, Dialogue, Muslim Understanding, Sacred Books, Maulana Shams Naved Usmani

* PhD اسکالر شعبہ ءاسلامیات، شہید بے نظیر بھٹو وومن یونیورسٹی، پشاور۔

** ایسوسی ایٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، عبدالولی خان یونیورسٹی، مردان۔

تعارف اور مطالعاتی زندگی

مولانا شمس نوید عثمانی 1927ء کو دیوبند کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد آپ کے بچپن میں ہی انتقال کر گیے تھے۔مولانا صاحب دارالعلوم دیوبند سے منسلک شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے بھائی تھے۔ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کیں۔جبکہ دس برس کی عمر میں دارالعلوم دیوبند سے دینی علوم کی حصول کا آغاز کیا۔1945ء میں گریجویشن کی ڈگری حاصل کر کے والدہ کی وفات کے ایک سال بعد لکھنؤ میں اپنے بھائی مسعود جاوید عثمانی(جو ایک مشہور ناول نگار تھے)کے پاس چلے گیے،اور یہاں لکھنؤ یونیورسٹی سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔1954ء میں گورنمنٹ اورینٹل کالج رام پور میں انگلش مضمون کے معلم منتخب ہوئے۔[2]

مولانا شمس نوید عثمانی صاحب ایک بہترین اسلامی ادیب اور شاعر تھے۔نظمیں اور غزلیں لکھتے اور مشاعروں میں حصّہ لیتے۔ادب کی دنیا میں آپ مستقل طور پر مختلف رسالوں کے لیے کالم لکھتے۔آپ پہلی مرتبہ ماہنامہ تجلی دیوبند کے مستقل کالم نگار''کیا ہم مسلمان ہے؟''کے طور سے متعارف ہوئے۔اور یہی کالم آپ کی شناخت بن گیا۔مدیر ماہنامہ تجلی مولانا عامر عثمانی کی وفات کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا تھا۔لیکن اس کے تین حصّے جو کہ کتابی صورت میں منظر عام پر آچکے تھے جو اسلامی دنیا میں شہ پارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔[3]یہی آپ کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔

علاوہ ازیں زندگی کے آخری دس پندرہ برسوں میں آپ ہندوستان کے قدیم مذاہب کا مطالعہ کرنے میں مگن رہے۔انھوں نے کئی سال برہمنی صحیفوں کو سمجھنے اور سنسکرت زبان سیکھنے میں صرف کر کے دقیق نظری سے وید،اُپنشد،گیتا اور بائبل کا مطالعہ کیا۔جس کا نتیجہ مختلف مضامین اور کتب کے شائع ہونے کی صورت میں سامنے آیا۔[4]ہندومت پر آپ کی تصنیف''اگر اب بھی نہ جاگے تو''اسی غور وفکر اور مطالعہ و تحقیق کی ایک اہم ترین کڑی ہے۔جس میں

ہندو دھرم کے عقائد و نظریات پر دلائل سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ نیز مختلف زبانوں جیسے انگلش،اردو اور کئی بھارتی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

منہج واسلوب اور تحقیقی ماخذ

مولانا صاحب نے پہلی مرتبہ ہندو کتب مقدسہ کا تحقیقی جائزہ لیکر علمی انداز میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ہندو صحائف میں اسلامی تعلیمات موجود ہیں۔اور عقائد پر دونوں مذاہب کے اصل مآخذ کی روشنی میں تفصیلاً گفتگو کی۔تاہم اپنے ہم عصر رجحان کے بجائے آپ کی کتب میں دعوتی اسلوب کا رنگ نمایاں ہے۔آپ ایک دردمند داعی کی طرح ہندوؤں کو دینِ اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔اس سلسلے میں جہاں آپ نے ہمدردی،اخلاق اور الفاظ کا محتاط استعمال کیا ہے، وہاں آپ اتحاد و یگانگت کا بھی درس دیتے ہیں۔

شمس نوید عثمانی کے استفادہ کے مآخذ

مرحوم شمس نوید عثمانی صاحب کی تحقیقی کاوش کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف قرآن و حدیث سے استدلال پیش کیا بلکہ براہ راست ہندو دھرم کے اصل مصادر کو بھی پیشِ نظر رکھا۔اور ہر نقطہ نظر کے اثبات میں عقل عام اور خارجی دلائل کے ساتھ ساتھ ہندو متون مقدسہ سے بھی دلائل پیش کیے ہیں۔ جیسے سیدنا نوح علیہ السلام کو ہندوؤں کا پیغمبر ثابت کرنے کے لیے وہ قرآن و حدیث سے دلائل کے بعد وید کی استناد کی طرف رجوع کے علاوہ دیگر ہندو صحائف سے بھی واقعات نقل کیے ہیں۔

بعدازیں ان کی مقدس کتب سے تصورِ توحید اور رسالت کے اثبات کے لیے بھی جابجا حوالے دیئے گئے ہیں۔ویدوں کے علاوہ مولانا صاحب نے ہندومت کے جن اہم مآخذ سے استفادہ کیا ہے ان میں پران، گیتا، رامائن، مہابھارت، منودھرم شاستر، اپنشد سرفہرست ہیں۔اپنی تحقیق

میں ہندو مصنفین وشارحین سے بھی بلاتعصب استفادہ کیا۔جن میں سوامی دیانند سرسوتی، شنکر اچاریہ،ڈاکٹر تاراچند،درگا شنکر ستیار تھی، مہاتما گاندھی،ڈاکٹر رادھا کرشنن اور شری رام شرما جی وغیرہ شامل ہیں۔

ہندو مصنفین وشارحین کے علاوہ مسلم علماءوصوفیا کے اقوال کو کئی مقام پر بطور دلیل پیش کیا ہے۔انھوں نے ، علم تاریخ، کشف القبور ، پیشین گوئیاں ، سیرت النبی کے مختلف پہلواور دیگر متفرق موضوعات پر مسلم مصنفین کے اقوال نقل کیے جن میں حضرت شاہ ولی اللہ، مجدد الف ثانی، علامہ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، شاہ معین الدین احمد ندوی، ابن قیم اور دیگر جید علماو مصنفین شامل ہیں۔ان کے علاوہ آپ نے مختلف نظریات کی بنیاد رکھتے ہوئے ان کی توثیق میں تفاسیر سے بھی متعدد اقتباسات نقل کیے ہیں۔ مثلاً صابئین، آخرین اور دیگر اصطلاحات کی تشریح کرتے ہوئے انھوں نے بہت سے مفسرین کے اقوال نقل کیے ہیں۔[5]

مولانا شمس نوید عثمانی کے ہندومت سے متعلق اہم آراء

ہندواور تبدیلیٔ قوم کا عقیدہ

ہر رسول کے آنے کے بعد اس کی امت کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے تازہ ترین علم کی رہنمائی میں پچھلی تمام اقوام کو راہ حق کی تلقین کرنے کے لیے کھڑی رہے۔یہی امامتِ عالم کا منصب کہلاتا ہے۔قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اشارے موجود ہیں کہ اگر کوئی امت اپنے فرئضہ منصب کو ادا نہیں کرتی تو اللہ تعالیٰ ایک دوسری قوم کو ہدایت دے کر ان کی جگہ مقرر کردیتے ہیں۔سورۃ البقرۃ میں بھی (پانچویں رکوع سے لے کر چودھویں رکوع تک تفصیل سے) اس بات کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے کہ کس طرح بنی اسرائیل کی مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے بنی اسرائیل کی پیشوائی (منصبِ نبوت) ختم کردی گئی اور بنی اسماعیل دنیا کی رہنمائی کے لیے چنا گیا۔[6] تبدیلیٔ قوم سے متعلق مولانا صاحب قرآن مجید میں سورۃ المائدہ کی آیت پیش کرتے ہیں کہ :

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾[7]

''اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے۔ تو اللہ عنقریب ایک ایسی قوم کو لے آئے گا جو اللہ سے محبت کرتے ہوں گے اور اللہ ان سے محبت کرتا ہو گا۔ وہ ایمان والوں پر مہربان ہوں گے اور انکار کرنے والوں کے مقابلے پر سخت ہوں گے، اور وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا کرے، اور اللہ بڑی وسعت والا اور بڑے علم والا ہے۔''

سورہ توبہ میں جہاد سے پیچھے ہٹنے والوں کو اللہ تعالیٰ یہ وعید فرماتے ہیں:

﴿اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِــيْمًا ڏ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَـيْــــًٔـا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾[8]

''اگر تم (جہاد کے لئے) نہ نکلو گے تو وہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا فرمائے گا اور تمہاری جگہ (کسی) اور قوم کو لے آئے گا اور تم اسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکو گے، اور اللہ ہر چیز پر بڑی قدرت رکھتا ہے۔''

اس آیت کی تشریح میں اکثر مفسرین نے عمومی مفہوم مراد لیا ہے کہ یہاں ایک قانون بیان کیا جا رہا ہے کہ اللہ کسی کا بھی محتاج نہیں ہے، جب ایک قوم خدا کا حکم پورا نہیں کرتی تو اللہ اسے تباہ کر کے دوسری قوم لے آتے ہیں جو دین اسلام کی نصرت کے لیے کھڑی ہوتی ہے۔ جبکہ بعض مفسرین کے مطابق یہ آیت فی الواقع آئندہ کے لیے بیان کی گئی ہے جس کا اشارہ سورہ جمعہ کی آیت نمبر ۳ میں بھی ہے۔ چنانچہ تفسیرِ مظہری کے مصنف لکھتے ہیں کہ دوسری قوم سے مراد بعض علماء کے نزدیک اہل یمن ہیں اور سعید بن جبیر کے مطابق وہ اہل فارس ہیں۔[9]

مولانا عثمانی بھی اسی نقطہ نظر کے قائل ہیں کہ یہ آیت مستقبل کے امر واقعہ کو بیان کر رہی ہے۔ چنانچہ تبدیلی قوم کی وعید سے متعلق آیات نقل کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں:

"کیا نعوذ باللہ یہ بار بار دوسری قوم لانے کا ڈراوا 'بھیڑیا آگیا' والی پکار ہے۔؟ بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ ہم اور آپ کتنا ہی چاہیں مشیتِ ایزدی میں تبدیلی نہیں لا سکتے۔ ہاں اس کی کوشش کرنا ہمارا فرض ہے کہ عذاب میں پکڑے جانے والے لوگوں میں ہم شامل نہ ہوں اور جس قوم کو اللہ امتِ محمدی ﷺ کے دوسرے حصّے کی شکل میں قوموں کی سربراہی کا اعزاز عطا فرمائے گا اس قوم کے ایمان لانے میں ہماری کوششیں بھی شامل ہوں۔"[10]

مزید برآں مولانا اس آیت کی تشریح سورہ جمعہ کی آیت سے کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ وہی قوم ہے جسے قرآن مجید میں "آخرین" کہا گیا ہے۔ سورہ جمعہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾[11]

"اور ان (امیوں) میں سے آخرین (کے لیے بھی آپ ﷺ کو مبعوث کیا) جو ابھی اُن (پہلوں) میں شامل نہیں ہوئے ہیں اور وہ (اللہ) بڑا زبردست حکمت والا ہے۔"

مفسرین میں سے اکثریت نے اس آیت میں آخرین سے مراد اہل فارس لیا ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری میں اس آیت کی تشریح میں جو حدیث نقل کی گئی ہے اس میں سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الجُمُعَةِ: ﴿وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ [الجمعة: 3] قَالَ: قُلْتُ: مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ فَلَمْ يُرَاجِعْهُ حَتَّى سَأَلَ ثَلاَثًا، وَفِينَا سَلْمَانُ_الفَارِسِيُّ، وَضَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ عَلَى سَلْمَانَ، ثُمَّ قَالَ: «لَوْ كَانَ الإِيمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا، لَنَالَهُ رِجَالٌ - أَوْ رَجُلٌ - مِنْ هَؤُلاَءِ»[12]

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ سورۃ الجمعہ کی یہ آیات نازل ہوئیں ﴿وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ اور دوسروں کے لیے بھی جو ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے ہیں۔ میں

نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! یہ دوسرے کون لوگ ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا۔آخر یہی سوال تین مرتبہ کیا۔ مجلس میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے نبی کریم ﷺ نے ان پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اگر ایمان ثریا پر بھی ہوگا تب بھی ان لوگوں(یعنی فارس والوں) میں سے اس تک پہنچ جائیں گے یا یوں فرمایا کہ ایک آدمی ان لوگوں میں سے اس تک پہنچ جائے گا۔''

تاہم مولانا عثمانی چونکہ سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کے پیش نظر اس کی تفسیر کرتے ہیں اس لیے وہ اہل یمن کے قول کو بھی تسلیم کرتے ہیں گو کہ وہ حدیث اگرچہ صحیح درجہ استناد کو نہیں پہنچتی۔ اہل یمن اور فارس دونوں کو درست مانتے ہوئے اس کی یوں تطبیق کرتے ہیں کہ یہاں وہ قوم مراد ہے جو اہل یمن اور فارس کی مخلوط قوم ہو۔اور اسی تطبیق سے وہ اپنا نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہ تبدیلی قوم کی یہ پیشن گوئی ہندوؤں کے بارے میں ہے کیونکہ ہندوؤں کی بڑی اکثریت آریائی قوم سے تعلق رکھتی ہے جو ایرانی قوم کی ہی ایک شاخ ہے اور دوسری قوم ہندوؤں کی دراوڑ ہے جو عہد نبوی میں یمن میں بھی آباد تھی۔[13] چنانچہ آخرین کوئی اور نہیں بلکہ قومِ ہنود ہی ہے۔ اس مفروضے کی تائید میں وہ مختلف دلائل پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے وہ کم سے کم دلائل سامنے رکھ دیئے ہیں جو اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ امت محمدی ﷺ کے دو حصّے ہیں۔پہلے حصّے یعنی موجودہ امتِ محمدی کی عمر پندرہ سو سال ہے۔ہندوستان کی ہندو قوم اس امت کا دوسرا حصّہ یعنی آخرین ہیں۔یہ قوم بحیثیت مجموعی اسلام قبول کرلے گی اور اس وقت امامتِ عالم کے منصب پر سرفراز ہوگی''۔[14]

اس نقطہ نظر کی تائید میں دو جید اکابر کے اقوال بھی نقل کیے ہیں:

''مولانا عبیداللہ سندھیؒ جو حضرت شاہ ولی اللہؒ کے فلسفے کے سب سے بڑے علمبردار تھے اپنی کتاب میں سورۃ جمعہ کی آیت ۳ کے ضمن میں لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک ﴿وآخرین منھم﴾

کے مصداق اہل ایران،ہندوستان والے اور اس ضمن میں جو ان کے ساتھ شامل ہوں۔'' یہاں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی ایک پیشن گوئی بھی سنتے چلیں۔''اور جس بات کا مجھے یقین ہے وہ یہ کہ اگر مثلاًہندوؤں کاہندوستان کے ملک پر تسلط محکم اور ہر پہلو کے اعتبار سے ہو جب بھی اللہ کی حکمت کی رو سے یہ واجب اور ضروری ہے کہ ہندوؤں کے سرداروں اور لیڈروں کے دل میں یہ الہام کرے کہ وہ دینِ اسلام کو اپنا مذہب بنالیں۔

شاہ صاحب کی مغلوں کے دور میں کی گئی پیشن گوئی کا پہلا جز پورا ہو چکا ہے۔یعنی ہندوستان پر عملاًہندوؤں کا تسلط محکم ہو چکا ہے۔ان شاءاللہ اس پیشن گوئی کا اگلا حصّہ یعنی اس قوم کا قبولِ اسلام بھی ضرور پورا ہو گا۔''[15]

ہندو قوم کا ذکر قرآن مجید میں

بعض ہندو مخلصین و مفکرین جو اسلام سے متاثر ہونے کے سبب قرآن مجید کی عظمت کے بھی معترف ہیں ان کو یہ شکایت رہی ہے کہ قرآن مجید میں دیگر اقوام کا تو ذکر ہے لیکن ہندودھرم کا ذکر نہیں ہے۔شری گنگاپر شادا پادھیائے نے عربی میں قرآن مجید کا مطالعہ کر کے اپنی تصنیف ''مصابیح الاسلام'' جو اردو زبان میں لکھی گئی اس میں اس اعتراض کو ان الفاظ میں درج کیا ہے۔ملاحظہ کیجیے:

''قرآن شریف میں کئی جگہوں پر تو یہ کہا گیا ہے کہ خدانے مختلف قوموں کے لیے مختلف نبیوں کو بھیجا ہے لیکن خصوصاًکسی کا تذکرہ نہیں ہے۔تماشے کی بات یہ ہے کہ جو پرانی قومیں ہیں اور جن کی تہذیب کی تواریخ ہزاروں سال پرانی ہے جیسے ہندوستان،چین وغیرہ ان کا کچھ بھی اشارہ تک نہیں۔گو یا اس الہام سے جس کو قرآن یا کلام مجید کے نام سے پکارا جاتا ہے عام انسانی جماعت کا کوئی تعلق ہے ہی نہیں۔۔۔۔''[16]

ان کے اس اعتراض کے رد میں مولانا صاحب عقلی و نقلی دلائل پیش کرتے ہیں۔ کہ بیشک یہ بجا ہے کہ قرآن مجید کے اوّلین مخاطب اہل عرب تھے تاہم آخری کتاب ہونے کی وجہ سے اس میں رہتی دنیا تک کے حالات وواقعات مذکور ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ جو دنیا کی قدیم ترین مذہبی قوم ہے اس کا ذکر نہ ہو؟ مولانا صاحب لکھتے ہیں کہ :

''یہ قرآن پر ایک الزام ہے۔ کیا ہم نے کبھی ہندو قوم کا نام یا تعارف قرآن میں تلاش کرنے کی کوشش کی؟ ٹھیک ہے قرآن میں لفظ ہندو کہیں نہیں ملتا، لیکن کیا لفظ عیسائی یا کرسچن ملتا ہے؟ کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ عیسائیوں کا بھی قرآن حکیم میں ذکر نہیں ہے؟ قرآن نے عیسائیوں کے لیے لفظ ''نصاریٰ'' استعمال کیا ہے دنیا کا کوئی عیسائی اپنے آپ کو نصاریٰ نہیں کہتا لیکن ہم جانتے ہیں کہ نصاریٰ قرآن میں ان لوگوں کو کہا گیا ہے جو آج اپنے آپ کو عیسائی کہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جو قوم آج اپنے آپ کو ہندو کہتی ہے اسے کسی اور نام سے قرآن حکیم نے موسوم کیا ہو۔''[17]

قرآن مجید ایسی بہت سی اقوام جیسے اصحاب الرّس، قوم تبّع اور خصوصاً قوم صابئین کا تذکرہ ملتا ہے جنہیں مفسرین عصر حاضر تک متعین نہیں کر سکے۔ قرآن مجید میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ خاص طور پر صابئین کا ذکر متعدد جگہ کیا گیا ہے۔ جیسے یہ اقوام بہت بڑی اور منفرد گروہوں میں سے ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـــِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾[18]

''بیشک جو لوگ مومن ہیں اور جو یہودی ہیں اور نصاریٰ ہیں اور صابئین ہیں ان میں سے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لائیں اور نیک عمل کریں تو ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے نہ ان پر کوئی خوف آئے گا اور نہ وہ غمگیں ہوں گے۔''

اس آیت مبارکہ میں قومِ صابئین کا ذکر مؤمنین، یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ بلکہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر صابئین کا ذکر انہی بڑی بڑی اقوام کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مولانا صاحب یہاں اپنا نقطہ نظر کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

''اتنی اہمیت کی حامل قوم جس کا خصوصی تذکرہ قرآن پاک نے دنیا کی بڑی بڑی قوموں کے ساتھ ہی کیا ہے اس کو ہم آج تک تلاش نہیں کر سکے۔ حالاں کہ انھیں مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح آج بھی اور آئندہ آنے والے زمانے میں بھی دنیا کی نمایاں مذہبی قوموں میں سے ہونا چاہیے۔ اگر ہم غور کریں تو تلاش کا دائرہ بہت محدود ہو گیا ہے۔ مسلمان، عیسائیوں اور یہودیوں کے علاوہ دنیا میں کتنی بڑی بڑی مذہبی قومیں اور ہیں؟ انھیں میں سے صابئین کو ہونا چاہیے۔ اب ذرا ایک اور زاویے سے تلاش کریں۔

۔۔۔۔قرآن مجید میں جن صاحب شریعت رسولوں کا تذکرہ جگہ جگہ ایک ساتھ آیا ہے وہ رسول اکرم حضرت محمد ﷺ، حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت نوح علیہم السلام ہیں۔ ان میں سے مسلمان حضرت محمد ﷺ کو اپنا آخری پیغمبر تسلیم کرتے ہیں، عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اور یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے منسوب قوم ہیں لیکن صابئین؟ ہم نہیں جانتے۔

پھر سوچیے! حضرت محمد ﷺ کے اُمتی مؤمنین ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے عیسائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم یہودی اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم؟ کسی کو معلوم نہیں۔ کہیں انھیں کی قوم کو تو صابئین نہیں کہا گیا؟''[19]

حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ صابئین کو آرین نسل ہی مانتے تھے۔ ان کے علاوہ مولانا سید سلیمان ندویؒ بھی ان کو قدیم ہندوستانی باشندے تسلیم کرتے ہیں کہ:

''مغضوب اور ضال جس طرح اہل کتاب میں ہیں، اپنی اپنی مزاجی کیفیت کی بناء پر وہی صورتیں متابعتہ شبہ اہل کتاب میں بھی ہیں جن کی دو جماعتوں سے ہم کو قرآن نے واقف

کرایا ہے اور وہ مجوس اور صابئین جن میں ایرانِ قدیم اور ہندِ قدیم کے باشندے بھی داخل ہیں۔۔۔۔"[20]

تاہم یہاں ایک قابل غور امر یہ ہے کہ عراق اور شام میں قلیل تعداد میں ایک فرقہ پایا جاتا ہے جو اپنے آپ کو صُبی کہتا ہے۔اس فرقے کے پیروکار حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بعد کسی کو نبی تسلیم نہیں کرتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی نہیں مانتے۔ جبکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کو مانتے ہیں۔اس کا امکان ہے کہ قرآن مجید نے صابئین ان کو بھی کہا ہو۔ لیکن شاہ ولی اللہ محدث اور سید سلیمان ندوی جیسے محقق اور مولانا عبیداللہ سندھی جیسے ہر ملک میں گھومنے والے اہل نظر نے صابئین ہندوستانی نسل کے لوگوں کو ہی مانا ہے حالانکہ اہل علم حضرات کے علم میں یہ فرقہ ضرور ہوگا۔اس کے علاوہ اس فرقے میں سوائے اہل کتاب کے اور کوئی خصوصیت نہیں پائی جاتی جو مفسرین و علماء نے صابئین سے منسوب کیے ہیں۔[21]

مذکورہ بالا تمام تر تصریحات کے بعد مولانا شمس نوید عثمانی لکھتے ہیں کہ :

"ہماری رائے میں قرآن کی مختلف اصطلاحوں کا اطلاق چونکہ کبھی کبھی بیک وقت مختلف گروہوں کے لیے اور کبھی کبھی مختلف زمانوں میں مختلف گروہوں کے لیے بھی ہوتا ہے اس لیے یہ ممکن ہے کہ اس صُبی فرقہ پر بھی قرآنی اصطلاح صابئین کا اطلاق ہو لیکن ہندوستانی مذہبی قوم کا صابئین کے ذیل میں آنا شک و شبہ سے بالاتر ہے۔"[22]

سیدنا نوحؑ اور ہنود

سیدنا نوح علیہ السلام ایک جلیل القدر پیغمبر تھے جو بائیبل کے مطابق آدم علیہ السلام کی پشت میں سے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب یوں بیان ہوا ہے۔نوح بن لامک بن متوشالح بن أُخنوخ بن یارُد بن مہلئیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہم السلام۔[23] آپ کی بعثت کا مقام نامعلوم ہے تاہم خیال کیا جاتا ہے کہ آپ کا علاقہ تبلیغ دجلہ و

فرات کا درمیانی میدان تھا۔[24] البتہ طوفان کے بعد آپ کی کشتی جس مقام پر ٹھہری وہ کوہ ارارت (کوہ ارارط[25] بمطابق بائبل) ہے۔ قرآن مجید اور بائیبل دونوں اسی کی تائید کرتے ہیں۔[26] آپ کی قوم کون تھی؟ اس بارے میں ابن کثیر نے قصص النبیین میں آپ کی قوم کا نام بنو راسب لکھا ہے۔ كَانَ قَوْمُهُ يُقَالُ لَهُم بَنو راسب فِيمَا ذكره ابْن جُبَير وَغَيْرُهُ[27] لیکن اس کی واضح تفصیل دستیاب نہیں ہے۔ مولانا شمس نوید عثمانی نے اس کتاب میں یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ ہنود قوم درحقیقت سیدنا نوح علیہ السلام کی امت ہیں۔ مولانا کی توجہ اس نظریے کی جانب ممکن ہے کہ اے جے ڈیوبائیس کے مفروضے کی وجہ سے ہو جس میں اس نے نوح اور منو کو ایک ہی شخصیت قرار دیا ہے، اور خود اس اقتباس کو مولانا نے اپنی کتاب میں بھی نقل کیا ہے۔[28] لیکن اس نظریے کو قرآن و حدیث اور تفسیری روایات کے دلائل سے مولانا نے ہی مزین کیا ہے۔ سید نا نوح اور ہندو کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں:

> "ایک طرف تو ہم یہ جانتے ہیں کہ ہندو قوم تبدیل ہو کر امتِ محمدی بنے گی اور موجودہ امتِ محمدی کے افراد اس تبدیلی کا ذریعہ بنیں گے اور دوسری طرف حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قومِ نوح علیہ السلام کے اپنے نبی کو پہچاننے سے انکار کے بعد امتِ محمدی گواہی دے گی کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو احکامِ خداوندی پہنچائے تھے۔ یعنی گواہی دینے والی امتِ محمدی کے افراد حضرت نوح علیہ السلام کی امت کو اور ان سے حضرت نوح علیہ السلام کے رشتے کو پہچانتے ہوں گے۔ کیا یہ واضح دلیل اس بات کی نہیں محسوس ہوتی کہ موجودہ ہندو قوم حضرت نوح علیہ السلام کی امت ہے۔"[29]

مولانا شمس نوید عثمانی کی تحقیق کے بعد اس نظریے کو اہل علم میں اچھی پذیرائی ملی اور مختلف علما کرام نے اس کو اپنے خطبات اور تصانیف میں جگہ دی۔ مولانا امیر حمزہ جو اسی دعوتی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں، اپنی کتاب ہندو کا ہم درد میں لکھتے ہیں:

''ہندو دوستو! نوح علیہ السلام کے زمانے میں جو عالمگیر سیلاب آیا تھا، یہ سیلاب بت پرستوں پر عذاب بن کر آیا تھا۔ اس عذاب کا تفصیلی تذکرہ قرآن میں موجود ہے۔ تورات اور بائیبل میں بھی موجود ہے۔ ہم آپ کو بتلائے دیتے ہیں کہ یہ تذکرہ آپ کے ہاں بھی موجود ہے مگر آپ کے ہاں اس طرح موجود ہے کہ تمہارے بڑوں نے روایتی بت پرستی کی وجہ سے بھگوان ''مچھ اوتار'' بنایا۔ جو جناب منو (منوح: نوح) کے جہاز کو عالمگیر طوفان میں بچا کر نکال لاتا ہے۔''[30]

مولانا امیر حمزہ نے اس حوالے سے وہی شہادتیں پیش کی ہیں جنھیں مولانا شمس نوید عثمانی نے اپنی مذکورہ کتاب میں پیش کیا ہے۔ تاہم حافظ محمد شارق علم التاریخ سے مزید شہادتوں کے ساتھ اس خیال کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہندو اور ایرانی دیومالائی روایات میں لکھا ہے کہ ایک عظیم سیلاب کے بعد منو نے بعض نیک انسانوں کو کشتی میں سوار کر لیا اور تمام برے لوگ غرق ہو گئے۔ یہی روایت ہمیں سامی مذاہب میں سیدنا نوح علیہ السلام کے بارے میں ملتی ہے۔ اس بارے میں جو کچھ داخلی شواہد پیش کیے جاتے ہیں، وہ ہندو صحائف کی ناقابل اعتماد تاریخی حیثیت کی وجہ سے مشکوک ہو سکتے ہیں، لیکن علم الآثار کی روشنی میں اس نظریے کی گنجائش بہر حال موجود ہے۔ اگر ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ طوفانِ نوح 5000BC سے پہلے کسی دور میں آیا تھا اور اس کا محل وسطی ایشیاء تھا تو براہ راست آریوں سے اس کا تعلق جڑ جاتا ہے جو بعد میں ہندوستان میں اترے۔ لیکن یہ محل وقوع اگر تبدیل کر دیا جاتا ہے، جیسا کہ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ طوفانِ نوح بین النہرین تہذیب کا واقعہ ہے؛ تو اس کے آثار ہمیں آریائی کلچر کے بجائے قدیم وادی سندھ کی تہذیب سے مل سکتے ہیں بالخصوص ویدوں کا ترسو اور یادو قبیلہ جن کا گہرا تجارتی تعلق ان تہذیبوں سے رہا ہے۔ لیکن اس صورت میں یہ تعلق اس لحاظ سے جڑ جاتا ہے اسی تہذیب کے بعض گروہ نے وادی سندھ کی تعمیر میں اہم کردار ادا کیا۔ یا

دوسرے ماہرین کے نزدیک وادی سندھ کے لوگوں نے بین النہرین تہذیب کی بنیاد رکھی۔
دونوں صورتوں میں یہ تعلق سیدنا نوح علیہ السلام سے رہتا ہے۔"[31]

یہ سہرا درحقیقت مولانا شمس نوید عثمانی کے ہی سر ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں ان کا یہ نظریہ مسلمہ بن چکا ہے کہ ہندو سیدنا نوح علیہ السلام کی ہی امت میں سے ہیں۔ دعوتی پہلو سے یہ نظریہ ہندوؤں کو مسلمانوں سے قریب کرنے اور انھیں دعوت دین دینے میں بہت کار آمد رہا ہے۔

ہندو رزمیہ ادب مہابھارت اور راماین کی منفرد تشریح

ہندوؤں کے مقدس صحائف میں دو اہم کتب مہابھارت اور راماین ہیں۔ یہ دونوں کتابیں مجموعی طور پر ہندوؤں کے رزمیہ ادب میں شامل ہے۔ ان دونوں داستانوں میں مرکزی کردار رام اور کرشن ہیں جنھیں ہندو وشنو دیوتا کا اوتار مانتے ہیں۔ مولانا شمس نوید عثمانی مرحوم کے مطابق راماین کا قصہ درحقیقت کوئی ماضی کا واقعہ نہیں بلکہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی نوید ہے۔ ہندو محققین کی اکثریت رام و کرشن کی تاریخی حیثیت کی قائل ہے، اور ان واقعات کو بھی بہت حد تک تاریخی تسلیم کرتے ہیں، جبکہ ایک گروہ ایسا ہے جس کے مطابق یہ داستانیں دراصل اخلاقی اقدار، حق و باطل یا قدیم زمانے میں آرین اور ڈراوڑ قوم کے باہم جنگوں کی تمثیل ہیں۔ مولانا شمس نوید عثمانی بھی ان دونوں رزمیہ داستانوں کو تمثیل مانتے ہیں لیکن وہ انھیں حق و باطل اور دو قوموں کے مابین جنگ کی تمثیل کے بجائے ایک منفرد نظریہ پیش کرتے ہوئے اسے بشارتِ نبوی سے تعبیر کرتے ہیں:

"کیا یہ حقیقت احمدی پر بنے بنائے قصّہ کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو مستقبل کی خبر کی حیثیت رکھتا تھا لیکن اس کو گذرے ہوئے واقعات سمجھ کر کتابیں لکھ لی گئیں۔"[32]

شری رام رزمیہ داستان راماین کے کردار ہیں اور ہندوؤں کے ہاں انتہائی مقدس ہستی تسلیم کیے جاتے ہیں۔ ہندو عقائد کی رُو سے شری رام وشنو کے اوتار ہیں جو ست یگ یعنی ہزاروں برس پہلے دنیا میں آئے۔ تمام ہندوؤں کا اتفاق ہے کہ شری رام ماضی کی ایک شخصیت ہیں لیکن مولانا مرحوم کے مطابق شری رام کوئی ماضی بعید کی تاریخی شخصیت نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اپنے اس نظریئے کے اثبات کے لیے وہ مختلف قرائن اور دلائل بیان کرتے ہیں۔

وید میں شری رام کا کوئی تفصیلی تذکرہ موجود نہیں ہے، مولانا کے مطابق صرف ایک ہی منتر میں شری رام کا نام آیا ہے جس کا ترجمہ مولانا نے مختلف تراجم سے مدد لیتے ہوئے کچھ اس طرح کیا ہے:

> ''میں اس ناقابل شکست رشی، نافِ زمین (مکہ) کے سُپوت (بیٹا) روحانی شخصیت رام کا بیان کروں۔''[33]

یہاں راماین کے ضمن میں ایودھیا کا ذکر بھی مناسب ہوگا جو ہندوؤں کا متبرک شہر ہے۔ یہ شہر بھارت کے شمالی صوبے ''اتر پردیش'' میں واقع ہے۔ ہندوؤں کے ہاں اس شہر شری رام کی جائے پیدائش بھی مانا جاتا ہے۔ مولانا شمس نوید عثمانی کے مطابق ایودھیا دراصل مکہ کا ہی دوسرا نام ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''ایودھیا(अयोध्या) لفظ اَ+ یُدّھ سے بنا ہے۔ اَ کے معنی ہیں ''نہیں'' اور یُدّھ (युध) کے معنی ''جنگ''۔ ایودھیا یعنی وہ مقام جہاں قتال ممنوع ہے۔ ہر طرح کی جنگ اور خون حرام ہے۔ عربی میں اس مفہوم کا مترادف لفظ ''دارالسلام'' یا ''بیت الحرام'' ہوتا ہے۔ شری رام یعنی احمد ﷺ کی پیدائش ایودھیا یعنی دارالسلام (مکّہ) میں ہونا بتائی گئی تھی۔ بس رام کی جائے پیدائش ایودھیا سے ہندوستان میں ایک شہر موسوم ہوگیا۔''[34]

مولانا شمس نوید صاحب اس وضاحت کے بعد راماین کی بیوی سیتا کے بارے میں لکھتے ہیں:

''سیتا لفظ کے سنسکرت ڈکشنری میں معنی ہیں ''راجا کی نجی زمین (राजाकीनिजीभूमि)''
یعنی کعبہ۔ مکّہ کو اُمّ القریٰ یعنی بستیوں کی ماں قرآن نے بتایا ہے[35] اور بائیبل میں بھی
مکاشفات یوحنّا میں مکہ ّکو عورت (Woman) کہا گیا ہے۔[36] سیتا بجائے کعبہ کے رام کی
بیوی سمجھ لی گئیں۔ سیتا کا ذکر ویدوں میں دو مقامات پر ہماری نظر میں ہے[37]۔ لیکن دونوں
جگہ مترجمین کو بے حد دشواری پیش آئی ہے کیوں کہ وہاں بھی رامائن والی کہانی کا تو کیا کسی
عورت کا مفہوم لینے کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ لفظ سیتا کا سنسکرت ڈکشنری میں ایک اور
مطلب یہ ہے: ''کھیت میں ہل سے بنائی گئی پہلی لکیر۔''

جب رام کا اصل مفہوم سمجھ میں آجائے گا تو مندرجہ بالا مطلب بھی سمجھنے میں
دشواری نہ ہوگی۔ کھیت میں ہل سے بنائی گئی پہلی لکیر سے مراد ہوگا 'زمین پر وجود میں آنے
والا پہلا مقام یعنی کعبہ۔''[38]

ان مذکورہ قرائن کی تفصیل یہ ہے کہ راماین کے مرکزی کردار رام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمثیل ہے، اور سیتا کعبہ کی۔ راماین داستان کے مطابق رام کی بیوی سیتا کو راون یعنی ایک شیطانی بادشاہ نے اغوا کرلیا تھا۔ یہ دراصل اس خبر کا تمثیلی اظہار تھا کہ کعبہ پر کفر و شرک کا غلبہ ہوگا اور بعدازاں رام یعنی پیغمبر ﷺ کے ذریعے کعبہ پر دوبارہ بھرت یعنی نیکوں کی حکومت قائم ہوگی۔

خلاصہ بحث

مولانا شمس نوید عثمانی بلا مبالغہ ہندومت کے حوالے سے اپنے دور میں ایک نابغہ عصر شخصیت تھے۔ ہندومت کے بارے میں ان کا مطالعہ براہ راست اور بہت وسیع تھا۔ مسلم تفہیمِ ہندومت کے ضمن میں آپ پہلی مرتبہ ایک ایسا منہج سامنے لائے جس میں قرآن و حدیث کی روشنی میں ہندو صحائف کا مطالعہ کیا جاتا ہے اور بکھرے ہوئے حقائق کو جوڑ کر ایک منظم شکل میں اسلامی

تعلیمات پیش کی جاتی ہیں۔یہ منہج مناظرانہ اسلوب سے پاک خالصتاً دعوتی و علمی نوعیت کا ہے جس میں مخاطب کو طعن و تشنیع کے بجائے غور و فکر کی بنیاد پر اسلام کی جانب مائل کیا جاتا ہے۔

مولانا شمس نوید عثمانی سے قبل تفہیم ہندومت کے حوالے سے یہی طریقہ عام تھا کہ عقلی و نقلی دلائل کے سہارے ہندومت کے مختلف عقائد و نظریات کی تردید کی جائے اور انھیں سرار باطل کر دیا جائے۔ مولانا اس حوالے سے امتیازی خصوصیت کے حامل ہیں کہ انھوں نے ہندومت کے عقائد کی براہ راست تردید کے بجائے خود ہندو صحائف کی روشنی میں ان کا صحیح مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔وہ دیگر مصنفین کی طرح یہ نہیں کہتے کہ ویدک تعلیمات خرافات کا مجموعہ ہے، بلکہ وہ اس جانب توجہ دلاتے ہیں کہ ویدوں کی اصل تعلیمات یہ نہیں ہیں جو آج ہندوؤں میں مروجہ ہیں۔ وہ ہندوؤں کو ان کے اپنے صحائف سے بتاتے ہیں کہ ویدک دھرم دراصل ایک سادہ عقائد پر مبنی مذہب ہے جس کی صحیح تعبیر آج اسلام ہی ہے۔اوران کا مذہب وہی ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کا ہے جس کی حتمی صورت آج اسلام کی صورت میں موجود ہے۔

حواشی و مصادر

[1] "Acharya and Maulana" are two titles that rarely, if ever, go together. The former is a term generally reserved for Brahmin teachers of Hindu Scriptures, particularly the Vedas. Maulana is a title of respect for an Islamic scholar. Sikand,Yoginder,Muslims in India since 1947:Islamic Perspectives on Inter-Faith Relations, Routledge, 2004, P#133.

[2] http://theamericanmuslim.org/tam.php/features/articles/islam_as_hinduisms _fulfilment_acharya_maulana_shams_naved_usmanis_approach(19th nov.2017)

[3] رفعت، محمد (ڈاکٹر)،ماہنامہ زندگی نو،تابش مہدی (ڈاکٹر)، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی، ستمبر ۲۰۱۰ء، ص74۔

[4] عثمانی، شمس نوید (مولانا)، اگر اب بھی نہ جاگے تو، مترجم: طارق، (ایس عبداللہ، مطبوعہ جے۔آر۔آفیسٹ پریس، جسیم بک ڈپو، اردو بازار جامع مسجد، دہلی، اگست 1989ء)، ص10۔

[5] ایضاً، ص41،42۔

[6] بنی اسرائیل کا ذکر پانچویں رکوع سے شروع ہو کر چودھویں رکوع تک پورے دس رکوعات میں پوری تفصیل سے کیا گیا اور بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کو تمام اقوام عالم پر فضیلت دے کر تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کا فریضہ انہیں سونپا تھا۔ مگر ان میں بیشمار ایسی

اخلاقی بیماریاں پیدا ہو چکی تھیں۔ جن کی وجہ سے یہ امامت کے قابل ہی نہ رہے۔ اللہ تعالٰی نے ان کی ایسی تمام اخلاقی بیماریوں کا ذکر تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ آخر میں دوبارہ انھیں اللہ کی نعمتیں یاد دلائی گئیں اور آخرت کے دن سے ڈرایا گیا اور متنبہ کیا گیا کہ اوپر بیان کی ہوئی بدکرداریوں کی وجہ سے تم ظالم ٹھہرے، سو اب امامت و قیادت بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل میں منتقل ہو رہی ہے، جن میں ایک پیغمبر مبعوث کرنے کی دعا ابراہیم (علیہ السلام) نے کعبہ کی بنیادیں اٹھاتے وقت کی تھی۔ (تفسیر سورۃ البقرۃ: ۱۲۲)۔

[7] القرآن، سورۃ المائدہ: ۵۴۔

[8] بحوالہ بالا، سورۃ التوبہ: ۳۹۔

[9] پانی پتی، قاضی محمد ثناءاللہ (حضرت، مولانا، مجددی)، تفسیرِ مظہری، دارالاشاعت اردو بازار کراچی، ۱۹۹۹ء، ج۴، صفحہ ۲۳۸۔

[10] عثمانی، شمس نوید، اگر اب بھی نہ جاگے تو، مترجم ایس عبداللہ طارق، ص ۲۴۔

[11] القرآن، سورۃ الجمعہ: 3 ۔

[12] بخاری، محمد بن اسماعیل أبوعبداللہ الجعفی، تحقیق محمد زهير بن ناصر الناصر، باب قَوْلِهِ: {وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ} [الجمعة: 3]، رقم الحدیث ۴۸۹۷، ج ٦، ص ۱۵۱۔/ مسلم، مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيری النيسابوری (المتوفی ۲٦۱ھ)، صحیح مسلم، تحقیق محمد فؤاد عبدالباقی، داراحیاءالتراث العربی۔ بیروت، رقم الحدیث ۲۵۴٦، ج۴، ص ۱۹۷۲۔

[13] اگر اب بھی نہ جاگے تو، ص ۲۷۔

[14] اگر اب بھی نہ جاگے تو، ص ۲۹۔

[15] بحوالہ بالا، ص ۲۸۔

[16] اپادھیائے، شری گنگا پرشاد، مصابیح الاسلام، ٹریکٹ وبھاگ، آریہ سماج چوک آلہٰ آباد، ۱۹٦۳ء، ص ۴۳۔

[17] اگر اب بھی نہ جاگے تو، ص ۳۹۔

[18] القرآن، سورۃ البقرۃ: ٦۲۔

[19] اگر اب بھی نہ جاگے تو، ص ۴۰۔

[20] ماخوذ خطبۂ صدارت مولانا سید سلیمان ندویؒ، سالانہ اجلاس جمیعتہ العلماء، بمبئی، فروری ۱۹۴۹ء۔

[21] اگر اب بھی نہ جاگے تو، ص ۴۴، ۴۳۔

[22] بحوالہ بالا، ص ۴۴۔

[23] کتاب مقدس، کتاب پیدائش، ٦: ۱۱۔

[24] سیوہاری، محمد حفظ الرحمٰن (صاحب، مولانا)، قصص القرآن، دارالاشاعت اردو بازار، ایم اے جناح روڈ، کراچی، پاکستان، ۲۰۰۲ء، ج ۲، ۱، ص ٦۷۔

[25] اراراط در حقیقت ایک جزیرہ کا نام ہے یعنی اس علاقہ کا نام ہے جو فرات و دجلہ کے درمیان دیارِ بکر سے بغداد تک مسلسل چلا گیا ہے۔ یعنی یہ دونوں دریا آرمینیا کے پہاڑوں سے نکلے ہیں، اور جدا جدا بہہ کر عراق کے زیریں حصّہ میں آکر مل گیے ہیں، پھر خلیج

فارس میں سمندر میں جا گرے ہیں، آرمینیا کے یہ پہاڑ اراراط کے علاقہ میں واقع ہیں، اسی لیے توراۃ میں ان کو اراراط کا پہاڑ کہا ہے۔ لیکن قرآن مجید میں اس پورے علاقے کی بجائے صرف اس خاص مقام کا تذکرہ کیا ہے جہاں کشتی جا کر ٹھہری تھی، یعنی جودی کا، توراۃ کے شارحین کا یہ خیال ہے کہ جودی اُس سلسلہ کوہ کا نام ہے جو اراراط اور جارجیا کے پہاڑی سلسلہ کو باہم ملاتا ہے، اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ سکندرِ اعظم کے زمانے کی یونانی تحریرات بھی اس کی تصدیق کرتی ہیں، اور اس تاریخی واقعہ کا تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آٹھویں صدی مسیحی تک اس جگہ ایک معبد اور ہیکل موجود تھا جو ''کشتی کا معبد'' کہلاتا تھا۔ دیکھیں: حوالہ مذکور، قصص القرآن، ص ۶۲، ۶۷۔

[26] القرآن، سورۃ الھود: 44۔ / کتاب مقدس، پیدائش ۸: ۲۲۔

[27] ابن کثیر، أبو الفداء إسماعيل بن عمر القرشي البصري ثم الدمشقي (المتوفى: 774ھ)، قصص الأنبياء، تحقيق: مصطفى عبد الواحد، ط1388/1 ھ- 1968 م، باب ذِكْرُ إِدْرِيسَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، ج1، ص۷۵۔

[28] اگر اب بھی نہ جاگے تو، ص۳۳۔

[29] بحوالہ بالا، ص۳۲۔

[30] امیر حمزہ، مولانا، ہندو کا ہمدرد، دارالاندلس، لاہور، سن نامعلوم، ص۷۸۔

[31] شارق، محمد (حافظ)، ہندومت کا تفصیلی مطالعہ، ادارہ تحقیقات مذاہب، کراچی، ۲۰۱۸ء، ص۶۳۔

[32] اگر اب بھی نہ جاگے تو، ص۱۶۴۔

[33] بحوالہ بالا، ص۱۶۶۔

[34] اگر اب بھی نہ جاگے تو، ص۱۶۹۔

[35] القرآن، الأنعام: ۹۲۔

[36] کتاب مقدس، مکاشفہ ۱۷: ۱۸۔

[37] رگ وید۔ منڈل ۴۔ سکت ۵۷۔ منتر ۷، ۶۔

[38] اگر اب بھی نہ جاگے تو، ص۱۶۹۔